Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اردو کی نثری اصناف(داستان،ناول اور افسانہ)میں معاشی تصورات کا جائزہ

An Overview of Economic concepts in Urdu Prose Genres(Stories,Novels and Fiction)

*صائمہ اقبال،
**روبینہ کوثر

Abstract:
Urdu fiction has the power to express every knowledge and every philosophy. There is no branch of human life which has not been a place by literature and its expression has not been given a means. At the same time , the means of livelihood also changes. Our urdu prose writers have well described the various sources of livelihood and their impact on human life to their writings. The economic problems of the people and the class ups and downs are frequently mentioned in Urdu fiction (Stories, Novels and Short Stories) because the greatest need of man for living is the means of livelihood. Without which man connot think of a good and peaceful life.This article presented an overview of economic concepts in Urdu Prose genres(Stories, Novels and fiction)
Key words: Urdu fiction, Stories, Novels, Short Stories, Economic, Concluded

معاشیات کو انگریزی زبان میں Economics کہتے ہیں اور فرانسیسی زبان میں Politique Economics کہا جاتا ہے۔اصطلاحاً اس کا مفہوم یہ ہے کہ معاشیات وہ علم ہے جس میں انسان کے اس خاص طرز عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو محدود ذرائع کی مدد سے لا محدود خواہشات کی تکمیل کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔

David Hayman اپنی کتاب Economics میں معیشت کی تعریف یہ بیان کرتے ہیں:

> "Economics is concerd with the use of available productive recources in a society satisfy what often are conflicting desires and demands."(1)

*لیکچرار شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،فیصل آباد
**اسکالر پی۔ایچ۔ڈی شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،فیصل آباد

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

معاشیات کا واسطہ ایسے معاشرتی امر سے پڑتا ہے جو ایک فرد سے لے کر منتظم گروہ کی مادی ضروریات کی فراہمی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ یہ لفظ جدید ساخت کا ہے۔ اس پر جدت اور عجمیت کی چھاپ بھی موجود ہے۔ یہ اس علم و فن پر بولا جاتا ہے جن کا تعلق ان ذرائع پیداوار سے ہے جن پر انسان کی معاشی فلاح و بہبود موقوف ہے۔ معیشت سے مراد وہ اشیاء ہیں جو انسانی زندگی کا لازمی جز ہیں جن پر انسانی زندگی کی بقاء کا انحصار ہے اس میں وہ تمام چیزیں آ جاتی ہیں جن سے انسان زندگی بسر کرتا ہے اس کے علاوہ اس کو وسیلہ زندگی بھی کہہ سکتے ہیں۔

امام غزالیؒ(۵۰۵ء) نے بھی معاشیات کی تعریف بیان کی ہے۔ مال چونکہ علم معاشیات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اسی صفت کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے مال کو معاشیات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ معاشیات میں اس کی تشریح و توضیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دنیا میں رہنا بغیر کھائے پیئے ناممکن ہے تو یہاں رہ کر کمانا ضروری اور لازمی ہے لہذا کمانے کے صحیح طریقوں کو جاننا ضروری ہے۔"(۲)

اس کے علاوہ اسی عنوان کے تحت انہوں نے کمانے کی فضیلت، معاملات کی درستگی، معاملات اور تجارت میں عدل سے کام لینا، تجارت میں احسان اور نیکی سے پیش آنا وغیرہ، پر بھی بحث کی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ(۱۱۷۶۔۱۱۱۴ھ) علم معاشیات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''هو الحكمة الباحثه عن كيفيه اء قامة المعادلات و المعاونات والاكساب علي الا ر تفاق الثانى ''۔ (۳)

ترجمہ: "ارتفاق ثانی کے باب میں افراد معاشرہ کے اشیاء کے باہمی تبادلہ، ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت و آمدن کی حکمت سے بحث کرنے کا نام علم معیشت ہے۔"

دور جدید میں اقتصادیات سے مراد بھی مالی اور معاشی امور لیے جاتے ہیں لہذا اصطلاحاً اقتصادیات سے مراد وہ علم ہو گا جس میں دولت کی پیدائش اور تقسیم سے بحث کی جاتی ہے۔ علم اقتصاد ہر اس شے سے بحث کرتا ہے جو کثرت مال و زر، رزق کمانے، کسی شے کا مالک ہونے اور خرچ کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔

انسانی زندگی کا جب آغاز ہوا تو وہ جنگلوں اور غاروں میں رہتا تھا۔ غار میں رہنے والے انسان کی خوراک کا واحد ذریعہ شکار تھا جس میں جسمانی قوت و طاقت کا ہونا ضروری تھا۔ یہ کام مرد کر سکتے تھے۔ اس لیے عورتیں زیادہ تر غاروں کے آس پاس رہتی تھیں۔ جبکہ مرد شکار کرنے کے لیے دور دراز کے جنگلوں میں نکل جاتے تھے۔ سید علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں:

"یہ انسان نکیلے پتھر شکار کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ سیپیوں اور گھونگھوں کو چھید کر مالا بناتے تھے اور جسم کو مختلف رنگوں سے رنگتے تھے، دھاتوں کے استعمال سے ناواقف تھے اور کھیتی باڑی کا فن بھی نہیں جانتے تھے۔"(۴)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

یہ لوگ زیادہ تر خانہ بدوش تھے۔ حق ملکیت سے آگاہ نہیں تھے۔ اس لیے اپنے لیے کوئی چیز محفوظ نہیں کر سکتے تھے۔ اسی دوران انہوں نے مشاہدہ کیا کہ جب بیج کسی جگہ پر گرتا ہے تو وہاں اس بیج کی نسل کا ایک اور پودا اُگ آتا ہے۔ اسی وقت انسان نے اپنے اس مشاہدے کی بنا پر ان بیجوں سے فصلوں کو با قاعدہ اگانے کا آغاز کیا۔ آہستہ آہستہ انسان نے میدانوں کا رخ کیا اور پانی کے ذخائر کے قریب بستیاں بسا کر زراعت کو ترقی دینی شروع کی۔ کھیتی باڑی کا نظام جوں جوں ترقی پانے لگا دیگر شعبوں نے بھی وسعت اختیار کرنی شروع کر دی اور مختلف لوگوں نے اپنی اپنی مہارت کے مطابق پیشے اختیار کرنے شروع کر دیے۔ انسان کو بارشوں، آندھی، طوفانوں اور قدرتی آفات کے دنوں میں اناج کو ذخیرہ کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی تو گروہ کے طاقتور افراد کو ذخیرے کی حفاظت کی لیے چن لیا گیا۔ بعد میں انہی میں سے کچھ افراد کے پاس بڑی تعداد میں ذخائر اور طاقت جمع ہو گئی تو انہوں نے سرداری کا دعویٰ کر دیا۔

جاگیر داری نظام خاص طور سے مغربی یورپ کے سیاسی، معاشی اور سماجی حالات کی پیداوار ہے۔ تقریباً انیس ویں صدی میں یورپ میں صنعتی انقلاب نے اس نظام کو زوال کی راہ دکھائی اور اس جگہ سرمایہ دار یہ نظام نے جڑیں پکڑنا شروع کر دیں۔ سرمایہ دارانہ نظام نے انسانی رشتوں، ترجیحات، اخلاقیات اور اقدار و روایات کو زر کے رشتوں میں تبدیل کر دیتا تھا۔ جب سرمایہ بنیادی ترجیح کی صورت اختیار کر گیا تو سرمایہ داروں کو غریب کا استحصال کرنے کی ہلکی پھلکی چھوٹ مل گئی۔ سرمایہ داروں کے ظلم و ستم اور استحصال کے جواب میں مزدور طبقے نے رفتہ رفتہ اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں مختلف تحریکیوں کا آغاز ہوا۔ اور پھر ان کے حقوق سے متعلق قوانین وضع کیے گئے۔

ذرائع معاش اور اسلامی تعلیمات

انسان کی ابتدائے آفرینش میں غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ جس طرح خالق بشریت نے اسے وجود عطا فرمایا اسی طرح اس کی تمام ضروریات کا بھی انتظام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جنت میں مکین فرمایا اور اس کی تمام معاشی کفالت بھی فرمائی اور اس کی بھوک، پیاس، افلاس اور رہائش کے انتظام کا اعلان بھی ان الفاظ میں فرمایا:

’’ان لک الا تجوع فیھا و لا تعری ° و انک لا تظموء فیھا ولا تضحی ۝‘‘

ترجمہ: ’’مجھ کو یہ ملا کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اس میں، نہ دھوپ‘‘۔(۵)

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر بھیجا تو ضرورت معاش کے ساتھ اسے کسب معاش کی صلاحیتوں سے نوازہ اور اس کی صلاحیت کو آرزوئے خوب سے خوب تر کی مہمیز لگائی۔ اس وجہ سے مختلف ذرائع معاش میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی رہی ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

’’و لقد مکنکھم فی الارض و جعلنا لکم فیھا معایش‘‘

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ترجمہ: " ہم نے تمھیں زمین میں با اختیار بنا کر تمھاری معیشت کا سامان اس میں رکھ دیا۔" (۶)

اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق اور معیشت کو زمین اور اس کے خزانوں کے ساتھ مربوط فرمایا ہے۔

دور جدید اور معاشیات

عصر حاضر میں معیشت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تاریخ کو پتھر اور دھات کے زمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آج کا دور معیشت کا دور بلکہ نظامہائے معیشت کی کشمکش کا دور ہے اور صنعتی و سائنسی ترقی نے اس کشمکش کو تند و تیزی کر دیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دور حاضر میں معاشیات تمام قوموں کا مشترکہ مذہب بن کر رہ گیا ہے تو بے جانہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں اگر کوئی معاشی تبدیلی رونما ہو جائے تو پوری دنیا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ موجودہ دور کے شہریوں کی ذمہ داریاں اور فرائض کا حلقہ ماضی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ آج کا شہری اپنے فرائض بخوبی انجام دینے کے قابل نہیں بن سکتا تاوقتیکہ وہ ملک کے معاشی مسائل کی نوعیت کو جاننے اور ان کو حل کرنے کے اصول اور طریقوں سے واقف نہ ہو۔ ماضی کے بڑے بڑے سیاسی انقلابات اس بات کے گواہ ہیں کہ جس حکومت نے معاشی مسائل کی طرف توجہ نہ دی عوام نے اس کا تختہ الٹ دیا۔

ادب اور معاشیات

معاشیات ایک ایسا علم ہے جس میں نہ صرف فردِ واحد کے معاشی رویے بلکہ اجتماعی معاشرہ اور ممالک کے معاشی رویے، انسانی زندگی اور معاشی مسائل و معاملات کے متعلق امور زیر بحث آتے ہیں اور اس میں انسانی ضروریات کی تسکین، مسائل اور ذرائع کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ مستقبل کی منصوبہ بندی اور انسانی فلاح جیسے مضامین بھی اس میں شامل ہیں۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے تو یہ اپنے اندر ہر علم اور ہر فلسفہ کو سموئے ہوئے ہے، کوئی ایسی تحقیق، فکر یا سوچ نہیں ہے جس کو ادب نے اپنے اندر جگہ نہ دی ہو اور اس کے اظہار کو وسیلہ یا ذریعہ نہ عطا کیا ہو۔ انسانی ضروریات کی تسکین اور سب سے اولین ضرورت بھوک اور پیاس کی تسکین انسان کا سب سے اہم مسئلہ رہا ہے اور ادب نے اس سوچ اور اس ضرورت کو مقدم حیثیت دی ہے۔ کوئی جذبہ، کوئی احساس اس وقت تک نمو نہیں پا سکتا جب تک انسان معاشی فکر سے آزاد نہیں ہو جاتا۔ علی سردار جعفری "ترقی پسند ادب" میں اس ذہنی اور جسمانی محنت کی تقسیم کے بارے میں لکھتے ہیں :

> "جب انسانی سماج نے ترقی کی اور محنت میں سماجی تقسیم عمل میں آئی تو انسانیت طبقات میں تقسیم ہو گئی۔ آقا اور غلام، جاگیر دار اور کسان، سرمایہ دار اور مزدور، مختصر یہ کہ حاکم اور محکوم، لیکن طبقاتی تقسیم کے ساتھ ساتھ ایک تقسیم اور بھی تھی وہ جسمانی اور ذہنی محنت کی تقسیم تھی۔ جسمانی اور ذہنی محنت کی یہ تقسیم اس لیے ضروری تھی کہ

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ذرائع پیداوار اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا کہ سماج کے تمام افراد کا پیٹ پوری طرح بھر سکے اور انسانوں کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ تھوڑا سا کام کر کے اتنا پیدا کر لیں کہ فراغت کے لیے وقت نکل سکے۔ جو آرٹ، فلسفے، سائنس اور سیاست کے لیے دیا جا سکے۔ اس لیے ایک بہت بڑا گروہ جو تھوڑا سا کھا کر زندہ رہتا تھا اور اپنی معمولی ضروریات سے زیادہ سامان پیدا کرتا تھا، صرف جسمانی محنت پر اکتفا کرنے لگا اور ایک چھوٹا سا گروہ جس کی زندگی کا دارومدار ایک بڑے گروہ کی محنت پر تھا آرٹ فلسفے، سائنس اور سیاست کے لیے وقف ہو گیا۔"(۷)

یونانی، انگریزی، فرانسیسی، فارسی اور اردو غرض یہ کہ جس زبان کے ادب کا مطالعہ ہم کرتے ہیں تو معاشی مسائل کا ذکر کسی نہ کسی صورت میں لازمی طور پر ہمارے سامنے آتا ہے اور کسی بھی زبان کا کوئی ایسا ادیب نہیں جس نے معاشی مسائل کو اپنی تحریروں کا موضوع نہ بنایا ہو۔ زندگی اور ادب دو ایسی اصطلاحات ہیں جن کو کسی صورت الگ الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے انسان کی سب سے بڑی ضرورت معیشت ہے۔ اب ہم اس مضمون میں اردو ادب کی نثری اصناف داستان، ناول اور افسانہ میں معاشی تصورات کا ارتقائی جائزہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گیں۔

اردو داستان میں معاشی تصورات

اردو میں داستانوی ادب کا سرمایہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ادبی اعتبار سے اردو زبان کو بلند مقام عطا کرنے میں داستانوں کا بڑا رول رہا ہے۔ اردو داستانوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک قسم منظوم داستانوں کی اور دوسری منثور داستانوں کی ہے۔ ان داستانوں کو مزید تین گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ جانوروں کی کہانیاں

۲۔ مختصر داستانیں

۳۔ طویل داستانیں

یہ داستانیں اردو ادب کی آبرو ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کے دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان داستانوں میں خاص طور پر کدم راؤ پدم راؤ، غواصی کی سیف الملوک، بدیع الجمال، طوطی نامہ، مینا ستونتی اور چندرالورک کی کہانی خاص طور پر اہم ہیں۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام کے ساتھ باقاعدہ داستانیں لکھوائی گئیں۔ زریں کی نو طرز مرصع یا باغ و بہار اور انشاء کی "رانی کیتکی کی کہانی" کے علاوہ اس دور میں جتنی داستانیں منظر عام پر آئیں وہ فورٹ ولیم کالج کی مرہونِ منت ہیں۔ فورٹ ولیم کالج میں جو داستانیں لکھوائی گئیں ان میں باغ و بہار، آرائش محفل، طوطا کہانی، داستان امیر حمزہ، بیتال پچیسی اور سنگھا

سن بیتسی شامل ہیں۔ یہ تمام داستانیں ۱۸۰۱ء سے ۱۸۰۴ء تک کے درمیانی زمانے میں لکھی گئیں۔ انیسویں صدی کے آخر تک جن داستانوں نے شہرت حاصل کی ان میں نورتن، فسانہ عجائب، گل صنوبر، الف لیلیٰ، بوستان خیال، طلسم ہوش ربا، سروش سخن، طلسم حسرت جیسی داستانیں اشاعت پذیر ہوئیں۔

ہماری داستانیں ادب کا ایک ضروری جزو ہیں۔ یہ ہماری تمدنی، معاشی، سیاسی، ادبی اور مجلسی زندگی اور ہمارے تہذیبی ورثے کا قیمتی خزانہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لکھنوی زندگی اور اس کی عوام کی معاشی حالت کبھی مکمل نہیں ہو سکتی تھی اور نہ کسی کو پتا چلتا کہ انیسویں صدی کے لوگوں کا ذریعہ معاش کیا تھا۔ اگر میر امّن کی باغ و بہار اور سرور کا فسانۂ عجائب جیسی داستانوں کا ذخیرہ اردو زبان میں موجود نہ ہوتا۔

جس عہد سے ہندوستانی داستانوں کا تعلق ہے وہاں ذریعہ معاش تجارت تھا۔ کیونکہ داستانیں بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے بیان کی جاتی تھیں۔ کہانیوں کے اندر ہیرو کی بہادری کے کارنامے سن کر بادشاہ اپنے آپ کو ہیرو سمجھتے تھے۔ اس لیے لوگ تجارت کا سامان لے کر جب جاتے تھے اور کافی مہینوں کے بعد واپس آتے تھے تو اپنے ساتھ منافع کے ساتھ ساتھ بہت سے قصے کہانیاں بھی لاتے تھے۔ اردو کی پہلی داستان "سب رس" اگرچہ ایک "تمثیل" ہے۔ لیکن اس کے اندر بھی معاشی تصور موجود ہے۔ گیان چند جین لکھتے ہیں:

> "ملک سیستان کے بادشاہ ملک کا بیٹا آبِ حیات کا متلاشی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شہر دیدار کے باغ رخسار میں آب حیات کا چشمہ ہے۔"(۸)

اس اقتباس میں ایک باشاہ اور اس کے بیٹے کا ذکر ہے۔ جو معاشی لحاظ سے عام انسان نہیں ہیں۔ بلکہ بادشاہ وقت ہے۔ عجائب القصص کا ہیرو بھی جب روم کی طرف نکلتا ہے تو اس کا مقابلہ مختلف جنوں پریوں اور جادوگروں سے ہوتا ہے۔ یہ ہیرو بھی ایک بادشاہ ہے۔ لیکن ان شہزادوں کے ساتھ مختلف لوگ ایسے بھی نظر آتے ہیں۔ جو ہر وقت ان کی خدمت پر معمور نظر آتے ہیں۔ ان کا تعلق مختلف پیشوں سے ہوتا ہے۔

باغ و بہار میر امّن نے ۱۸۰۱ء میں لکھی۔ یہ چار درویشوں اور ایک بادشاہ کے قصے پر مشتمل تھی۔ اس قصے میں زیادہ تر تجارت کا پیشہ دکھایا گیا ہے۔ میر امّن نے بادشاہ کے دربار کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

> " اس وقت کی رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مرفہ، غریب، غرباء آسودہ، ایسے چین سے گزارن کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید، رات رات شب برات تھی۔ اور جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے، اٹھائی گیر، دغاباز تھے، سب کو نیست و نابود کرنا، نام و نشان ان کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔"(۹)

اس اقتباس میں ایک ایسے ملک کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو معاشی لحاظ سے خوشحال تھا۔ امیری و غریبی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اس کے علاوہ چار درویش مختلف ممالک سے ہیں۔ ان میں سے ایک تاجر کا بیٹا اور باقی تین شہزادے ہیں۔

فسانۂ عجائب میں ہمیں عام کردار بہت کم نظر آتے ہیں۔ یہاں بھی ہمیں شہزادے، شہزادیاں، وزیر زادے نظر آتے ہیں۔ کچھ خادمائیں، آیائیں یا اس طرح کے کچھ کردار نظر آتے ہیں۔ ہمیں چڑی مار بھی نظر آتے ہیں۔ رجب علی سرورؔ نے بہت سے پیشوں کا ذکر بھی کیا ہے جب جانِ عالم ملک زر نگار میں سے ہوتا ہوا جاتا ہے:

"شہر دیکھا، قطعدار، ہموار، قرینے سے بازار، کرسی ہر دکان کی کمر برابر، مکان ایک سے ایک بہتر و برتر، بیچ میں نہر، جابجا فوارے۔۔۔ جوہری کے روبرو جوہری، زر و جوہر کا ہر سمت ڈھیر، نقد و جنس سے ہر شخص سیر، کوئی شے کسی طرح کا اسباب ایسا نہ تھا کہ اس بازار میں نہ تھا۔۔۔ حلوائی، نانبائی، کنجڑے، قصائی، سقوں کے کٹوروں کی جھنکار، میوہ فروشوں کی پکار، دلالوں کی بول چال، جہاں کا اسباب و مال۔۔۔"(۱۰)

طلسم ہوش ربا میں عمرو عیار مختلف جگہوں کی سیر کرتا ہے اور مختلف جگہوں کے بیان کے ساتھ ساتھ وہاں کے سماجی و معاشی حالات بھی بیان کرتا ہے۔ اس داستان میں شہزادیوں اور پریوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس میں موجود عورتیں اپنے لباس وزیورات سے بھی پہچانی جاتی ہیں کہ معاشی لحاظ سے وہ معاشرہ کیسا تھا۔ شہزادیوں کے ساتھ کنیزیں، جلیسیں، خواصیں، آتو جی، چھو چھو، ماما، اصلیلیں، مغلانیاں اور قلمانیاں بھی نظر آتی ہیں۔ ملکہ حیرت کے سر پر وزیر زادیاں مگس رانی کرتی ہیں۔ تین چار سو تو صرف چتر بردار ہیں۔ دیہات کی عورتیں غربت کا شکار ہیں۔ ان کے لہنگے پھٹے ہوئے ہیں اور پیتل کی بالیاں پہنتی ہیں۔ طوطا کہانی کے مصنف حیدر بخش حیدری نے تقریباً ۳۵ کہانیاں بیان کی ہیں جو ایک طوطا اپنی مالکن کو سناتا ہے۔ طوطے کی کہانیوں میں اس ملک کی معاشی صورت حال نظر آتی ہے:

"اگلے دولت مندوں میں سے احمد سلطان نام ایک شخص، بڑا مالدار اور صاحبِ فوج تھا لاکھ گھوڑے اور پندرہ سو زنجیر فیل اور نو سو قطار بار برداری اونٹوں کی اس کے درخت پر حاضر رہتے تھے۔"(۱۱)

حیدر بخش حیدری نے تقریباً ہر کہانی میں اس طرح لوگوں کا ذکر ہے۔ جس سے وہاں کی معیشت کا اندازہ ہوتا ہے۔

بیتال پچیسی کے مصنف "مظہر علی ولا" ہیں۔ انھوں نے اس داستان میں پچیس کہانیاں لکھی ہیں اور راوی کا نام بیتال ہے۔ کہانی کے شروع میں ہی دولت کا ذکر ملتا ہے۔ جس سے انداز ہوتا ہے بیتال نے معیشت کو اپنی کہانیوں میں بہت اہمیت دی ہے:

"براہمنی نے کہا، یہ پھل راجہ کو دو اور اس کے بدلے لکشمی لو، جس سے دین و دنیا کا کام ہو۔"(۱۲)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

براہمن کی بیوی نے اپنے شوہر کو یہ مشورہ دیا کہ یہ پھل جس کے کھانے سے انسان امر ہو جاتا ہے بادشاہ کو دے دو اور اس کے بدلے لکشمی لے لو۔ داستانِ امیر حمزہ ایک بہادر شخص حمزہ کی فرضیہ داستان ہے اس کا تعلق مغل بادشاہ سے ہے جو داستان سننے کا ایسا ہے اس داستان میں بھی تجارت کے پیشہ کا ذکر ہے۔ مثلاً:

"یہ اس زمانے کی بات ہے۔ جب ہم قاہرہ میں مختلف ممالک کے تاجر حضرات کے ساتھ ساتھ تجارت کی غرض سے جمع تھے۔ سارا دن بازاروں میں کاروبار کرتے شام ہوتی تو عمرو بن عاصؓ سے منسوب مسجد میں جمع ہو جاتے۔ تب آپس میں تبادلہ کرتے اور ایک دوسرے کو کاروباری حالات سے آگاہ کرتے۔"(۱۳)

کہانی انسان کی دلچسپی کا ایک ذریعہ ہے۔ ان کہانیوں میں اس نے اپنے سے زیادہ زور آور طاقتوں پر غلبہ پایا۔ چنانچہ کہانی کا ہیرو امیر لوگ ہی ہوتے تھے۔ سید وقار عظیم لکھتے ہیں :

"اس دنیا میں ان لوگوں کی کثرت و فراوانی ہے جنھیں خدا نے تاجداری و جہاں بانی کا شرف بخشا ہے۔ بادشاہ، امیر، تاجر سے اس دنیا کی رونق اور آبادی ہے۔ بادشاہوں، امیروں، وزیروں اور تاجروں کی اس دنیا کی رونق، اس کی شان و شکوہ اس کی شانِ جلال و جمال میں ہی قاری کے لیے وہ کشش ہے۔ جس سے وہ اپنی سیدھی سادھی حقیقت کی دنیا میں محروم رہتا ہے۔"(۱۴)

داستانوں نے انسان کو ایسی زندگی سے متعارف کیا۔ جس میں عیش و عشرت کی فراوانی ہے۔ مروت، محبت اور دردمندی کے بدلے جاہ و ثروت ہے۔ جرأت، ہمت، شجاعت اور مردانگی کے بدلے ابدی سکون و راحت کا انعام ہے۔ اردو ادب کا زیادہ تر حصہ امراء کی سرپرستی میں لکھا گیا۔ چنانچہ داستانیں بھی انھیں کے لیے لکھی گئیں۔ یہ اچھا وقت گزارنے کا ایک مشغلہ تھا۔ بادشاہوں کے ہاں داستان گو ملازم رکھے جاتے تھے۔ جو رات کو داستانیں سناتے تھے۔ ان کے نفس و ذہن کو بہلاتے تھے۔ داستان گو کو یہ اجازت نہ تھی کہ عام انسان کی زندگی کو پیش کرے۔ اس کے بارے میں گیان چند جین لکھتے ہیں :

"داستان کا جو کچھ موضوع تھا اس کے ہیرو شہزادے ہی ہو سکتے ہیں۔ عشق، جنگ، مہمات، عوامی زندگی کے مشاغل ہیں۔ عوام کو غمِ جاناں میں مشغول دکھایا جائے کہ غمِ دوراں میں؟ عشق بازی کے ہفت خواں انھیں بے فکر لا ابالیوں سے ممکن ہیں جو محبوب نادید کی تلاش میں گھر بار چھوڑ نکل سکیں۔ تمام آدمی کی روزانہ کی زندگی بہت سادہ و یک رنگ گزرتی ہے۔ اس کو اگر کاغذ پر منتقل کر دیا جائے تو اس میں قصے کی دلچسپی شاید نہی ہو۔ تاجداروں کی زندگی داستان کی طرح رنگین ہوتی ہے۔ انھیں

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مقدرت ہے کہ دور دراز کی سیاحت کریں ان کے پاس رفیقوں اور حلیفوں کی فوج ہوتی ہے۔"(۱۵)

داستان میں جب بادشاہوں کی زندگی کو ہی بیان کیا جاتا ہے۔تو پھر اس کی معاش بھی شاہی خزانہ ہوتا ہے۔غریب عوام کی زندگی جتنی آج سادہ ہے اتنی ہی پہلے زمانے میں تھی۔اس کے بیان میں لذت ہوتی تھی۔عوام کی زندگی تو تلخ حقیقتوں کا مرقع ہوگی اور داستانوں کا یہ مقصد نہیں تھا کہ بادشاہوں کو غریب کی زندگی سے آگاہ کیا جائے۔اردو داستان کی امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مشترکہ تہذیب و ثقافت دکھائی جاتی ہے۔داستانوں میں بادشاہوں شہزادوں اور وزیروں کی طرز معاشرت اور ان کے ذوق و شوق کے ساتھ ایک معمولی آدمی کے حوالے سے بھی معاشی تصورات ملتے ہیں۔

اردو ناول میں معاشی تصورات

معاشرتی و سماجی سطح پر جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے اثرات بہت زیادہ تھے جس نے پورے سماج کو ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں سے آگے جانے کی راہ نظر آنا بند ہو گئی تھی۔اردو ناول نے اس پورے عہد اور اس کے سماجی، نفسیاتی، معاشرتی اور معاشی اثرات کو بڑی خوبی سے اپنے موضوعات کا حصہ بنایا اور بہت سے ناول اسی پس منظر میں تحریر کیے گئے۔پریم چند سے لے کر موجودہ دور تک اس پورے نظام کی جھلک نظر آتی ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کا اہم ناول "ابن الوقت" ہے۔یہ ناول اس پورے عہد کی تاریخ ہے جب سرمایہ دارانہ نظام پوری معاشرت پر اثرانداز ہو کر لوگوں کو اس نئے نظام کی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ابن الوقت ایسی ہی کشمکش کے نتیجے میں جنم لینے والا ایک کردار تھا جس کے آئینے میں اس عہد کا ہر نوجوان نظر آتا ہے۔نذیر احمد نے اس ناول کے ذریعے اس پورے عہد کی سیاسی، سماجی، اخلاقی اور معاشی تصورات کی بڑی کامیاب تصویر کشی کی ہے۔

منشی پریم چند اردو ادب کے وہ عظیم ناول نگار ہیں جنہوں نے متعدد ناول لکھے۔ان کے زیادہ تر ناول سماج کی ان برائیوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن کا تعلق ہماری دیہی زندگی اور اس کے معاشی نظام سے تھا۔گئودان پریم چند کا اہم ناول ہے جو جاگیردارانہ نظام اور اس کے زیر اثر پستے ہوئے کسان طبقے کے حالات کی عکاسی کرتا ہے۔دوسری طرف پریم چند نے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت پیدا ہونے والے معاشی مسائل کو بیان کیا ہے۔مزدوروں کے مسائل، ان کی حالت زار، محنت کش طبقے اور پورے سماجی ڈھانچے پر اس نظام کے اثرات کے حوالے سے بات کی ہے۔

پریم چند نے اپنے ناول "گوشہ عافیت" میں بھی کاشتکار اور زمیندار کی باہمی آویزش سے پیدا ہونے والے معاشی مسائل کو پیش کیا ہے۔اس میں پریم چند نے شمالی ہند کے گاؤں لکھن پور کی تباہی و بربادی اور یہاں کے غریب و مظلوم کسان کی حالت زار کو بیان کیا ہے۔اس ناول کا ہر کردار اس پورے سماجی ڈھانچے اور نظام کے اثرات پر روشنی ڈالتا ہے۔پریم چند کا معاشی حوالے سے ایک اور اہم ناول "چوگان ہستی" ہے۔اس ناول کے ذریعے پریم چند نے برصغیر کے محنت کش طبقے کے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

حق میں آواز بلند کی ہے۔ناول ''میدان عمل'' بھی سرمایہ دارانہ نظام کے پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے۔پریم چند کے ناول اپنے دور کے معاشی تصورات کی بھی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔

علامہ راشد الخیری کا نام ان ناول نگاروں میں بہت اہم ہے جنھوں نے سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ آنے والی نئی تہذیب وروایات کے خلاف آواز بلند کی۔سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے ہندوستان میں جو سماجی،معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا ہوئے تھے وہ اس کے سخت خلاف تھے۔ان کے ناول ''شام زندگی' اور ''صبح زندگی''میں برصغیر کی معاشی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے۔کرشن چندر ترقی پسند ناول نگاروں میں ایک ایسا اہم ناول نگار ہے جنھوں نے اپنے ناولوں میں بدلتے ہوئے حالات وواقعات کے نتیجے میں نوجوانوں کے جذبات اور خیالات میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔''جب کھیت جاگے'' کا موضوع ہندوستان کا محکوم اور پسا ہوا طبقہ ہے جو صدیوں سے جاگیر داروں کے استحصال کا شکار ہوتا چلا جارہا ہے لیکن وہ اپنے حقوق کے لیے آواز بلند نہیں کرتا۔

جاگیر دارانہ سماج کی عکاسی کرنے والے ناولوں میں ایک اہم ناول امراؤ جان ادا ہے۔امراؤ جان ادا کے ذریعے رسوا نے اس عہد کے نوابوں اور جاگیر داروں کے طرز زندگی،معاشرت،اخلاقیات اور عیش وعشرت کو بڑے خوب صورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔وہ عہد جب کسان دو وقت کی روٹی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے ان کی خون پسینے کی کمائی ان جاگیر داروں کی عیش وعشرت کے سامان مہیا کر رہی تھی۔خانم اور امراؤ جان کے کوٹھوں پر آنے والے نوابوں اور جاگیر داروں کی یہ ساری ٹھاٹھ،باٹھ،شان وشوکت اور رعب ودبدبہ سب ان کے مزاروں اور محنت کشوں کی محنت کا اجر تھی۔

قرۃ العین حیدر کا ناول ''آگ کا دریا''ہندوستان کی کئی سال کی تاریخ پر محیط ہے۔مصنفہ نے ناول کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے اور تقریباً اڑھائی ہزار سال پر مشتمل ہندوستان کے حالات کو بیان کیا ہے۔اس ناول میں قدیم عہد،عہد وسطیٰ اور عہد جدید کی سیاسی،سماجی،معاشی اور تہذیبی حوالے سے وضاحت کی ہے۔قرۃ العین حیدر کا ناول ' 'میرے بھی صنم خانے''جاگیر دارانہ نظام کے پس منظر میں معاشی تصورات کا عکاس ہے۔ہندوستان کے تنزل پذیر جاگیر دارانہ نظام،روایات اور عوامی شعور وبیداری کے نتیجے میں اس نظام کے زوال کی خوب صورت عکاسی کی ہے۔

عبد اللہ کا ناول ''اُداس نسلیں''میں پنجاب کا ایک گاؤں روشن پور دکھایا گیا ہے۔جس کے رہنے والے عام دیہاتیوں اور کسانوں کی طرح محنت ومشقت کرتے ہیں اور جاگیر داروں،امراءاور برطانوی سامراج کی زیادتیوں کو برداشت کرتے ہوئے ہیں۔اس ناول میں بھی دیہی زندگی اور کسانوں کر معاشی مسائل کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ رحیم گل کا ناول ''جنت کی تلاش'' اپنے پورے عہد کی ذہنی،نفسیاتی،جذباتی،معاشی اور سماجی مسائل کی عکاسی کرتا ہے۔یہ ناول سرمایہ دار طبقے کے حالات وواقعات کو بیان کرتا ہے۔فکر معاش سے آزاد یہ لوگ راحت وسکون کی تلاش میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

صدیق سالک کا ناول ''پریشر ککر''ہمارے معاشرے میں معاشی اور معاشرتی جبر،گھٹن اور اظہار رائے پر عائد کی جانے والی پابندیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اس خلا کی کہانی ہے جس کے نتیجے میں فرد کی ذات انتشار کا شکار ہو جاتی ہے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اور مصنف نے اظہار رائے پر پابندی لگانے اور لوگوں کا معاشی و معاشرتی استحصال کرنے والوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ ناول کے اختتام پر اس ناول کے ہیرو فطرت کا سب کچھ چھوڑ کر دیوانے پن کی حالت میں جنگل کی طرف نکل جانا اس کا اس سماج اور اس کے کھوکھلے پن پر ایک شدید احتجاجی رد عمل ہے۔

"صدیق سالک" کا ایک اور اہم ناول "ایمر جنسی" ۱۹۸۴ء میں لکھا گیا۔ یہ ناول بھی دیہی زندگی کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان میں جاگیر داری نظام اپنے عروج کو پانے کے بعد رفتہ رفتہ اپنے اثرات کھونے لگا تھا۔ اس ناول میں پاکستان کا ایک چھوٹا سا گاؤں شانتی نگر دکھایا ہے اس ناول کا مرکزی کردار شانتی نگر جاگیر دار جابر علی خان اپنے طبقے کے معاشی تصورات کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ "شوکت صدیقی "کا ناول "خدا کی بستی "۱۹۵۹ء میں لکھا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد کے نیم سرمایہ دارانہ معاشرے میں سماجی، سیاسی، اخلاقی، اقتصادی اور ازدواجی قدروں کے زوال اور جمہوریت، انسانیت اور مذہب کی آڑ میں ہوس پرستی اور فریب کاری کی کہانی بیان کرتا محسوس ہوتا ہے۔ معاشی پستی، سماجی غفلت اور والدین کی عدم توجہی کا شکار یہ بچے جرائم میں مبتلا ہو کر ساری زندگی سزا بھگتے ہیں۔ اس میں سیدھے سادھے، محنت کش، مجبور، بے بس اور لاچار لوگوں کے چھوٹے چھوٹے تشنہ خواب بھی ہیں اور طمع و لالچ کے اسیر وہ لوگ بھی جو اپنے مفادات کے حصول کی لیے ہر حد پار کرنے کے لیے تیار ہیں۔

خدیجہ مستور نے اپنے عہد کے مسائل کے ساتھ ساتھ اس عہد کی تہذیبی زندگی اور سیاسی و معاشی بے یقینی اور کشمکش کے ساتھ اپنے ناول کا موضوع بنایا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں ان کا ناول "آنگن" بہت اہم ہے۔ اس ناول میں برصغیر پاک و ہند کی پوری تہذیبی، معاشرتی، سماجی، عوامی بے چینی اور معاشی مجبوریوں کو بیان کیا گیا ہے۔ انتظار حسین کا ناول "بستی" ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے پس منظر میں لکھا گیا۔ سانحہ مشرقی پاکستان ہماری تاریخ کا ایک ایسا المیہ ہے جس کے نتیجے میں لوگوں میں جنم لینے والا درد و کرب، ان کی نفسیاتی الجھنیں، تہذیبی و ثقافتی شکست و ریخت، معاشی مجبوری، ویرانی کا احساس اور ۱۹۷۱ء کی جنگ کی تباہی و بربادی جیسے عوامل نے اس پورے عہد کی معاشرتی و معاشی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ معاشی حوالے سے ایک اور ناول "میرا گاؤں" ہے۔ اس کو لکھنے والے غلام الثقلین نقوی ہیں۔ یہ ناول دیہاتی پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ جو دیہات کے رہنے والوں کی زندگی، ماحول، مشکلات اور مصائب کا بھرپور جائزہ پیش کرتا ہے۔ تقسیم ہند سے لے کر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دور پر مشتمل اس ناول میں لائلپور کے ایک چھوٹے سے گاؤں چک مراد کے کسانوں کی حالت زار، ان کے طرز زندگی، گاؤں کے باسیوں کے چھوٹے چھوٹے غم اور خوشیاں، خود غرضیاں، وفاداریاں، زمینداروں کے رویے اور حکومت کے کارندوں کے ذریعے ان جاگیر داروں کا کمزور اور غریب کسانوں کا معاشی، معاشرتی اور اخلاقی استحصال بڑے واضح انداز میں نظر آتا ہے۔

جمیلہ ہاشمی کا ناول "تلاش بہاراں" ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں تقسیم ہند سے پہلے کی مشترکہ تہذیب اور پھر اس تہذیب کے زوال کو بھی پیش کیا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار کنول کماری ٹھاکر ایک خود دار، بہادر، باہمت اور محنتی

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

عورت ہے۔ جو ہندوستانی عورتوں کی بقاء اور بہتری کے لیے ساری زندگی بسر کر دیتی ہے۔ وہ معاشرے کی عورتوں کی بہتری اور ان کے حقوق کے لیے آواز بلند کرتی ہے۔

بانو قدسیہ کا ناول راجہ گدھ ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ ناول کا مرکزی کردار قیوم سیمی شاہ اور آفتاب ہیں۔ اس ناول میں انسان کے وقول و فعل میں تضاد، حلال و حرام، سرمایہ دارانہ طبقے کی ہوس پرستی، اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل پر بہت خوبصورتی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصنفہ نے پاکستان کے نئے دولت مند طبقے کی زندگی کے کھوکھلے پن اور اس طبقے کی نئی اور پرانی دونوں نسلوں کے معاشی اور جذباتی و نفسیاتی مسائل کا تجزیہ کیا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کا ناول "راکھ" ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں برصغیر کی تقسیم سے لے کر ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی ملکی حالات ،اقتدار کے لیے کی جانے والی سیاست اور سیاسی و سماجی کشمکش اور معاشی حالات کو بہت اچھے طریقے سے بیان کیا ہے۔ فسادات ،عورتوں کی بے حرمتی، لوٹ مار، سیاسی اور اقتصادی استحصال، قتل و غارت گری اور تعصبات سے بھرپور فضا نے پورے معاشرے کو ذہنی، جذباتی اور معاشرتی اور معاشی طور پر کھوکھلا اور بنجر کر دیا تھا۔

اکیسویں صدی میں بہت سے ناول نگاروں نے اپنی موجودہ صورت حال کے مطابق اپنے ناولوں میں معاشی تصورات پیش کیے ہیں۔ ان ناول نگاروں میں 'شمس الرحمٰن فاروقی' 'وحید احمد' 'حسن منظر' 'محمد عاصم بٹ' 'مرزا اطہر بیگ' 'طاہرہ اقبال' خالد طور' 'خالد فتح محمد' اور خالدہ حسین وغیرہ شامل ہیں۔

اردو ناول کا دامن بہت وسعت رکھتا ہے۔ اس نے ہر دور کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور معاشی مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے تحت سماجی اور معاشی استحصال کے ذریعے فرد کے جذباتی اور سماجی مسائل ہوں یا پاکستانی معاشرے کے معاشی مسائل سب کا ذکر موجود ہے۔

اردو افسانے میں معاشی تصورات

اردو افسانے کی ابتدا بیسویں صدی کے آغاز میں ہوئی۔ ابتدائی افسانہ نگاروں میں پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، غلام عباس، سعادت حسن منٹو، حکیم احمد شجاع، سلطان حیدر جوش اور حجاب امتیاز وغیرہ شامل ہیں۔ اردو افسانے میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں ہر طرح کے سماجی، مذہبی، نفسیاتی اور معاشی موضوعات بیان کیے جاسکتے ہیں۔ اردو شاعری ہو یا فکشن ان سب میں عوام کے معاشی مسائل اور طبقاتی اونچ نیچ کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ زندگی گزارنے کے لیے انسان کی سب سے بڑی ضرورت معیشت ہے۔ پریم چند سے لے کر موجودہ دور تک تمام افسانہ نگاروں کے ہاں بھرپور معاشی تصورات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> " اردو افسانے نے سیاسی غلامی، معاشرتی جبر، معاشی پسماندگی اور ذہنی و جذباتی زلزلوں سے معمور دنیا میں آنکھ کھولی۔"(۱۶)

انگارے، آتش پارے، شعلے، الاؤ اور چنگاڑیاں افسانے کے ابتدائی دور میں لکھی جانے والے افسانوی مجموعے ہیں ۔ ۱۹۱۷ء میں روس کا شتراکی انقلاب اور پہلی جنگ عظیم ، بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ہی چھڑ گئی تھی۔ اس نے ہندوستانیوں کی زندگیوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ مہنگائی اور اشیاء کی قلت نے عوام میں ایک اقتصادی بے چینی پیدا کر دی۔

۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۰ء کے زمانے کے شدید معاشی بحران نے ہر حساس دل رکھنے والے انسان کو بہت متاثر کیا۔ہندوستان میں ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند مصنفین کی بنیاد رکھی گئی اور تین سال بعد عالمی جنگ کا آغاز ہوا۔ اس دور میں ہندوستان کے اندر اقتصادی بدحالی اور سیاسی بے چینی اپنے عروج پر تھی۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کا سب ادیبوں نے خیر مقدم کیا۔ اس دنیا میں شہر و دیہات، امیر و غریب، کسان اور مزدور سبھی شامل تھے۔ اس لیے اشتراکیت جمہوریت، آزادی ،غلامی، آمریت، مذہبی اجارہ داری، معاشی جبریت، معاشرتی ناہمواریاں سبھی زیر بحث آئیں۔ علی سردار جعفری لکھتے ہیں :

> ”ہندوستان کا نیا ادب ہماری زندگی کے بنیادی مسائل کو اپنا موضوع بنائے، یہ بھوک، افلاس، سماجی پستی اور غلامی کے مسائل ہیں ۔۔۔ہم ان تمام باتوں کو جو ہماری قوت تنقید کو ابھارتی ہیں اور رسموں اور اداروں کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتی ہیں۔ تغیر اور ترقی کا ذریعہ سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔“(۱۷)

فن اور موضوع کے اعتبار سے ترقی پسند ادب کی تحریک اردو افسانے کا سنہری دور تھا۔ موضوعات میں رنگارنگی پیدا ہوئی۔ عوام کے معاشی حالات کو اس وقت کے افسانہ نگاروں نے نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

پریم چند کے افسانوں میں اس دور کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی زندگی کو دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے افسانوں کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کو بے نقاب کیا ہے۔ ان کے کردار کچلے ہوئے اور پسے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ سلیم آغا قزلباش لکھتے ہیں :

> ”انہوں نے کسان کے عام جذبات، ان کی دشمنیاں اور حسد رقابت کے خیالات، ان کی تکلیف اور ان کے تصادم وغیرہ کی حقیقتوں اور روایتوں کے اپنی تحریروں میں سمونے کی کوشش کی۔“(۱۸)

ہندوستان جب بہت سی تبدیلیوں سے گزر رہا تھا اس وقت پریم چند نے غریب کسانوں کی ذہنی حالت کو پیش کیا۔ ان کے دلوں میں جو نفرت پیدا ہو گئی تھی ان کی تصویر کشی کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے بہت سے افسانے ایسے ہیں جو ان کی اس سوچ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جن میں ” عید گاہ “،” دوبہنیں “، ۔”پنچایت“، ”طلوع محبت“، ”شکوہ شکایت“، ”کفن“، ”بلیدان “، ” سواسیر گیہوں “، ”جرمانہ “اور ”زادراہ“ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سجاد ظہیر مغربی تعلیم یافتہ تھے۔ یہ اشتراکی نظریات کے حامل تھے۔ ان کے افسانوں میں معاشرے کی ناہمواری اور اقتصادی بدحالی پر بھرپور طنز بھی ملتا ہے۔ ان کا بنیادی مقصد لوگوں کو جگانا، ہمت دلانا، ان میں اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کے ساتھ ساتھ نئی تہذیب کی تخلیق بھی تھا۔ انھوں نے مارکس اور لینن کے نظریات کا اپنی تحریروں میں خوب پرچار کیا ہے۔"روشنائی "اس کی عمدہ مثال ہے۔

احمد علی ترقی پسند مصنفین کی انجمن کے قیام و تشکیل میں احمد علی نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کا افسانہ "مہاوٹوں کی ایک رات" انقلابی حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ معاشی تصورات کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس افسانے میں انسان کی مفلسی، محرومی اور سماجی و معاشرتی مسائل کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔"انگارے" کی اشاعت اور احمد علی کے افسانوں کا مجموعہ " شعلے" انقلاب روس اور مارکسی نظریات کا عکاس ہے۔ڈاکٹر رشید جہاں سوشلسٹ نظریات رکھتی تھیں۔ انہوں نے عورت کے حق میں لکھا۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے عورت کو غلامی کے خاتمے کے لیے کوشش کرنے کا پیغام دیا۔ان کا افسانہ " دلی کی سیر "میں عورت کے مسائل ہی کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں مردانہ سماج کے خلاف بھی بہت شدید صورت اختیار کی گئی ہے۔ رشید جہاں کے افسانے بے بسی لاچاری اور معاشی لحاظ سے مجبور لوگوں کی زندگی کا آئینہ دار ہیں۔

حیات اللہ انصاری اردو کے منجھے ہوئے افسانہ نگار ہیں۔ ان کا افسانہ 'بڈھا سود خور' پڑھنے والے کے دل و دماغ میں غریبوں کا استحصال کرنے والوں کے خلاف نفرت بھر دیتا ہے۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ' انوکھی مصیبت ' ہے۔اس مجموعہ میں سب سے اہم افسانہ "ڈھائی سیر آٹا " بہت مشہور ہے۔انھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے سماجی بد حالی، سیاسی جبر اور معاشی بدتری کے تصورات کو موضوع بنایا ہے۔ سدرشن نے سامراجی اور جاگیرداری عناصر کی مخالفت کی ہے۔ ان کی قدروں کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔انھوں نے متوسط طبقے کے سماجی و معاشی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے ۔ ان کے کردار متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کے گرد گھومتے ہیں ۔'شاعر ' 'ترکِ نمود ' ،غریب دولت 'وغیرہ معاشی تصورات کے حوالے سے نہایت اعلیٰ افسانے ہیں۔

علی عباس حسینی نے جاگیرداری نظام کے خلاف افسانے لکھے ہیں۔ انہوں نے کسانوں کی روزمرہ زندگی اور ان کے درپیش مسائل کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔۔ گاؤں کے باشندوں کو جاں توڑ محنت اور معمولی معمولی چیزوں کو ترستے ہوئے دیکھا ہے۔" رفیق تنہائی " ،"بوڑھا اور بالا" وغیرہ معاشی تصورات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ سید فیاض محمود غریبوں اور کسانوں کے بڑے ہمدرد ہیں۔کسانوں کے جذبات اور دیہاتی زندگی کے مرقعے ان کے ہاں بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ جہالت، غربت، ہماری رسم ورواج کا بھوت، دولت کی غلط تقسیم ،مذہب کے نام پر انسانیت کا خون ان سے دیکھا نہیں جاتا ہے۔ان کے اہم افسانوں میں "کام چور'' اور "اللہ کے نیک بندے" نمایاں ہیں۔

ل۔م احمد (لطیف الدین احمد اکبر آبادی) کے افسانوں میں رومانویت اور حقیقت نگاری دونوں کا امتزاج ملتا ہے۔ انھوں نے کسانوں اور مزدوروں کے مسائل کے ساتھ ساتھ محبت کے روحانی رشتوں کو بھی بیان کیا ہے۔ ان کے کردار معاشی مجبوریوں سے کچلے ہوئے انسان ہیں۔ڈاکٹر پروین کلّو لکھتی ہیں:

"ل۔م لطیف کے افسانوں کے موضوع روسی افسانوں سے مشابہت رکھتے ہیں ۔
مثلاً کسانوں اور مزدوروں کا موضوع ہمیں روسی ادب میں ملتا ہے۔"(۱۹)

سہیل عظیم آبادی نے بھی ہندوستان کے کسانوں کی زندگی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اپنوں کی بے حسی، بے غیرتی، بد نظمی، بد عنوانی، لوٹ کھسوٹ، جبر و ظلم پر مبنی موضوعات ان کے ہاں عام دیکھے جاسکتے ہیں۔ ''الاؤ'' اور ''چار چہرے'' کے متعدد افسانوں میں سہیل عظیم آبادی نے گاؤں کے سیدھے سادھے ماحول اور کرداروں کو بیان کیا ہے۔ اختر اورینوی اپنے افسانوں میں زیادہ تر ہندوستان کے لوگوں کے معاشی حالات کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے مزدوروں اور کسانوں کے درمیانی طبقہ کو اپنا موضوع بنایا۔ عوام کو لوٹنے والے اور ان پر ظلم کرنے والوں کی مخالفت میں قلم اٹھایا۔ یہ اپنی تحریروں سے لوگوں میں جوشِ عمل، حرکت، شعور اور اتحاد پیدا کرنا چاہتے تھے۔ سید وقار عظیم لکھتے ہیں :

"اختر اورینوی کی حقیقت نگاری دوسرے ترقی پسندوں سے قطعی الگ ہے۔ ان کے افسانوں میں ایک عام فکری میلان ملتا ہے۔ ان کی فکر اقبال اور مارکس سے متاثر ہے۔"(۲۰)

اختر حسین رائے پوری نے جدید صنعتی و سرمایہ دار نظام کی پیدا کردہ لعنتوں کا ذکر اپنے افسانوں میں کیا ہے۔ اختر حسین مشینوں کے خلاف نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"جب میں نے اپنے آس پاس اندھے بھکاریوں، ننگی طوائفوں اور فاقہ کش مزدوروں کا انبوہ دیکھتا ہوں اور جب ان کی فریاد، اخلاق کے بلند بانگ وعویدار سرمایہ داروں کے پیروں تلے روندنے لگتی ہے تو میں ہر گز چپ نہیں رہ سکتا۔"(۲۱)

اختر انصاری کے ہاں فکری گہرائی موجود ہے۔ انہوں نے افراد کی ذہنی کیفیتوں کو بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر عزیز فاطمہ لکھتی ہیں :

"اختر انصاری کے خاص موضوع انسانی زندگی کے تضاد بھی انسان کے ظاہر و باطن میں ، امیری غریبی میں ، حاکم و محکومی میں ، موحول میں اور سماج کے اونچے طبقوں میں نفسیاتی رد عمل اس کے خاص موضوعات ہیں۔"(۲۲)

اختر انصاری نے بورژوا سماج کے ظلم کو بیان کیا ہے۔ اور پرولتاری طبقہ کی مظلومیت کو بطور ہتھیاڑ استعمال کیا ہے۔ متوسط اور مزدور طبقے کی زندگی اور اس کے مسائل کو بھی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔

پروفیسر محمد مجیب کا افسانوی مجموعہ "کیمیا گر" معاشی تصورات کے حوالے سے بہت اہم حیثیت رکھتا تھا کیونکہ انسان کی مصروفیتیں بڑھ گئی تھیں اب وہ دن رات کام کرتا تھا۔ لیکن پھر بھی اپنے لیے دو وقت کی روٹی حاصل کرنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ معاشی ناہمواری جیسے موضوعات کو پروفیسر محمد مجیب نے اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے۔ عزیز احمد نے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہندوستان اور ساری دنیا کے سرمایہ دارانہ نظام ،اس کی بے رحمیوں، سماجی ناانصافیوں اور استحصالی تدبیروں، قانون اور سماجی رشتوں کے کھوکھلے پن پر طنز کیا ہے۔ ان کے افسانے معاشی تصورات کی کھلی گواہی دیتے ہیں۔ ان کے دو افسانوی مجموعے " رقص ناتمام " بیکار دن بیکار راتیں " انہی خیالات کی ترجمان ہیں۔ "رقص ناتمام" میں عزیز احمد نے سماجی و معاشرتی اور معاشی رجحانات کو بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر پروین عظیم کا اہم افسانہ "گورکی کی ماں" ہے۔ جو اس نے "میکسم گورکی" کے ناول "ماں" سے متاثر ہو کر لکھا۔ اس ناول میں بیوی اپنے شوہر کی سوچ پر "بہادرانہ سوچ' اختیار کرتی ہے۔ اپنی معاشی حالت بہتر کرنے کے لیے سارا سارا دن کھیتوں میں کام کرتی ہے۔ اس افسانہ میں بھی معاشی تصورات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے:

> "خان کے خواب اپنی تعبیر پانے لگے۔ یکے بعد دیگرے گاؤں کی عورتوں نے کھیتوں میں کام کرنا شروع کر دیا۔ وہی مرد جو ان کا سایہ تک باہر دیکھنا پسند کرتے تھے۔ فخر سے ان کے شانہ بشانہ ہل چلاتے۔"(۲۳)

خواجہ احمد عباس ترقی پسند سوچ کے حامل تھے۔ ان کی یہ فکر ان کے افسانوں مثلاً "دیوالی کے تین دیئے " "بنارس کا ٹھگ" اور الف لیلیٰ" ۱۹۸۰ء میں ملتی ہے۔ "زعفران کے پھول" میں ڈوگر شاہی کے خلاف بغاوت اور معاشی ناہمواریوں کو موضوع بنایا ہے۔ کرشن چندر بنیادی طور پر ایک ترقی پسند افسانہ نگار ہیں۔ انہوں نے حقیقت نگاری، ماحول کی عکاسی، انسان دوستی اور رومان کے پس منظر میں زندگی کے تلخ حقائق اور تجربات کو بیان کیا ہے۔ حسن و عشق، جنس، نفسیات، بھوک، افلاس، نچلے متوسط اور اعلیٰ طبقے کے افراد کی طبقاتی کشمکش، ہر پیشے کے لوگ، اقتصادی بحران الغرض انھوں نے ہر قسم کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے اہم افسانے "دو فرلانگ لمبی سڑک"، "خونین ناچ" "دل کا چراغ" "بالکونی" اور "ان داتا" وغیرہ میں بھرپور معاشی تصورات دکھائی دیتے ہیں۔

غلام عباس نے اپنی تحریروں میں اس بات پر زور دیا کہ مزدوروں کو ان کا حق ملنا چاہیے۔ مزدوروں اور کسانوں کو اپنے حق کے لیے لڑنا چاہیے۔ "اوور کوٹ" ان کا نمائندہ افسانہ ہے۔ جس میں نوجوان اپنی دلی خواہشات سے مجبور ہو کر امیرانہ ٹھاٹھ اختیار کرتا ہے۔ لیکن جیب اس کی خالی ہوتی ہے۔ غلام عباس نے بھی متوسط طبقہ کی زندگی کے مختلف رخ، دھوکہ بازی کی مختلف صورتیں، ناجائز ذرائع سے دولت سمیٹنے کی ہوس اور بہت سے معاشی موضوعات پر لکھا ہے۔

راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں میں دیہات کی زندگی نظر آتی ہے۔ انھوں نے متوسط طبقے کے معاشی مسائل کو قریب سے دیکھا ہے۔ اس وجہ سے ان کے افسانوں میں اونچ نیچ اور معاشی مجبوریاں واضح نظر آتی ہیں۔ ڈاکٹر عزیز فاطمہ لکھتی ہیں:

> "راجندر سنگھ بیدی نے بہت کم لکھا لیکن جتنا بھی لکھا اس سے انہوں نے اپنے فن کا لوہا منوایا۔" لاجونتی " ۱۹۴۷ء کے انقلاب کا جذباتی عکس اور رد عمل ہے۔ ان کے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

افسانوں میں متوسط طبقہ کی گھریلو زندگی اور اس کا روزمرہ ماحول ہے۔ ان کے کردار کلرک ہیں، مزدور ہیں اور معاشی بدحالی کا نمونہ۔۔۔"(۲۴)

سعادت حسن منٹو ابتدائی دور میں اشتراکی انقلاب سے متاثر تھا۔ اشتراکی فکر بھی دراصل معاشی ناہمواری کو ختم کرنے کی بات کرتی ہے۔ منٹو پر روس اور فرانس کے افسانہ نگاروں کے گہرے اثرات تھے۔ روسی افسانہ نگاروں کا بنیادی موضوع بھی معاشی ناہمواری ہی تھا۔ عظمت اللہ قریشی لکھتے ہیں :

"منٹو پیٹ کی بھوک اور جنس کی بھوک میں نہایت ہی نازک تعلق قائم کرتا ہے۔ یہ دونوں بھوکیں ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔ تاہم منٹو پیٹ کی بھوک کو انسانی عمل کی بنیاد بنا کر مارکس کے نظریہ ضرورت کو انسانی عوامل میں منتقل کر کے وہی نتائج اخذ کرتا ہے جس کی مارکس نشاندہی کرتا ہے۔"(۲۵)

منٹو نے انسانی زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس کے موضوعات کلرک، مزدور، طوائف، رند، خرابات، کالج، بازار، ہوٹل، بچے، بوڑھے، نوجوان، مرد اور عورت کے گوناگوں معاشی مسائل کے مظاہر ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے بھی اپنے افسانوں میں امیر اور غریب کی طبقاتی آویزش کو بیان کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں پیدا ہونے والے معاشی مسائل اور دیہی زندگی کے مسائل کو موضوع بناتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں دیہات کے باشندے مولوی، پیر، پٹواری، مزارع، زمیندار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ "پرمیشر سنگھ"، "کپاس کا پھول"، "پہاڑوں کی برف"، "ثواب"، "گنڈاسا" وغیرہ میں مجبور اور لاچار طبقے کو بیان کیا ہے۔

رام لعل نے تقسیم ہند، سرمایہ داری نظام، حاکموں کے ظالمانہ رویے اور عوام دشمن تحریکوں کے بارے میں لکھا ہے۔ انھوں نے دیہاتی زندگی کے حوالے سے معاشی تصوارت کو موضوع بنایا ہے۔ ان کا افسانہ "نصیب جلی" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ابراہیم جلیس کے افسانوں میں اپنے اردگرد کے ماحول کا معاشی شعور ملتا ہے۔ ان کے اندر ہمیشہ سے طالبعلموں، مزدوروں اور کسانوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ اور ان کے معاشی مسائل کا احساس بھی موجود تھا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں :

"ابراہیم جلیس کے اظہار فن کے سارے وسیلے آج کے دکھی اور مظلوم انسان کی آواز پر آواز لگاتے ہیں۔ ان کی ڈھارس بندھانے کو آگے بڑھتے ہیں"(۲۶)

ابراہیم جلیس نے دیہات میں غربت اور افلاس کے حوالے سے معاشی تصورات کو موضوع بنایا ہے۔

عظمت چغتائی کے ہاں عورت کے حوالے سے معاشی مسائل اور انسانی جذبات کو دکھایا گیا ہے۔ ان کے ہاں غریب طبقے کی معاشی مجبوریوں کا بیان ہے۔ "چوتھی کا جوڑا" معاشی تصورات کی عمدہ مثال ہے۔ شوکت صدیقی کے افسانوں میں طبقاتی نفرت کو ابھارنے اور نچلے طبقے کو بیدار کرنے کے رجحانات موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے افسانوی مجموعہ 'تیسرا

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اندھیرا' 'کیمیا گر' اور 'راتوں کا شہر' وغیرہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ انور عظیم کے ہاں بھی جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کی تباہ کاریاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ انھوں نے معاشی زندگی اور طبقاتی کشمکش کا اپنا موضوع بنایا ہے۔

الغرض اردو افسانہ نگاروں نے اپنے اپنے انداز اور رجحان کے مطابق اپنے افسانوں میں معاشی تصورات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ 'معاش' انسان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ معاشی مساوات کے لیے دنیا میں بڑے بڑے انقلابات آئیے اور اس سلسلے میں ہمارے ادیبوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

حاصلِ بحث

اردو ادب میں ہر علم اور ہر فلسفہ کو بیان کرنے کی قدرت موجود ہے ۔ انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس کو ادب نے اپنے اندر جگہ نہ دی ہو اور اس کے اظہار کو وسیلہ یا ذریعہ نہ عطا کیا ہو۔ انسانی ضروریات کے ساتھ ساتھ ذرائع معاش میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ ہمارے اردو کے نثر نگاروں نے اپنی تحریروں میں مختلف ذرائع معاش اور ان کا انسانی زندگی پر پڑنے والے اثرات کو بخوبی بیان کیا ہے۔ کوئی جذبہ، کوئی احساس اس وقت تک نمو نہیں پا سکتا جب تک انسان معاشی فکر سے آزاد نہیں ہو جاتا ہے۔ داستان میں بادشاہوں کی زندگی کو بیان کیا جاتا ہے۔ عوام کی زندگی کی تلخ حقیقتوں کا بیان داستانوں کا مقصد نہیں تھا۔ اردو داستان کی امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مشترکہ تہذیب و ثقافت دکھائی جاتی ہے۔ داستانوں میں بادشاہوں شہزادوں اور وزیروں کی طرز معاشرت کے ساتھ ایک معمولی آدمی کے حوالے سے بھی معاشی تصورات ملتے ہیں۔۔ اردو ناول نے ایک پورے عہد اور اس کے سماجی، نفسیاتی، معاشرتی اور معاشی اثرات کو بڑی خوبی سے اپنے موضوعات کا حصہ بنایا اور بہت سے ناول اسی پس منظر میں تحریر کیے گئے۔۔ اردو افسانے میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں ہر طرح کے سماجی، مذہبی، نفسیاتی اور معاشی موضوعات بیان کیے جاسکتے ہیں۔ اردو فکشن میں عوام کے معاشی مسائل اور طبقاتی اونچ نیچ کا ذکر کثرت سے ملتا ہے کیونکہ زندگی گزارنے کے لیے انسان کی سب سے بڑی ضرورت ذرائع معاش ہیں۔ جن کے بغیر انسان اچھی اور پرسکون زندگی کا سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔

حوالہ جات

1. Calander ,D david ,c, Economics , MC Graw.Hill ,new york, 2001,p:10

۲۔ امام غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، (۵۰۵ھ) کیمیائے سعادت، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۰ء، ص ۲۶۶

۳۔ محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، مترجم، عبد الرحیم، لاہور: قدیمی کتب خانہ، ۱۹۸۳ء، ص ۴۳

۴۔ علی عباس جلالپوری، سید، روح عصر، لاہور: روہتاس بکس، ۱۹۸۹ء، ص ۱۳

۵۔ سورۃ طہ: ۱۱۹۔۱۱۸

۶۔ سورۃ الاعراف: ۱۰

۷۔ سردار جعفری، ترقی پسند ادب، جلد، دوم، علی گڑھ: انجمن ترقی ہند، ۱۹۵۷ء، ص ۴۷

۸۔ گیان چند جین، اردو کی نثری داستانیں، لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۶ء، ص ۳۲

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۹۔ میر امّن، باغ و بہار، کانپور: مطبع انتظامی، ۱۹۳۱ء، ص۳
۱۰۔ رجب علی بیگ سرورؔ، فسانۂ عجائب، لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۹۲۳ء، ص۵۷
۱۱۔ حیدر بخش حیدری، طوطا کہانی، دہلی: جے ایس سنٹ سنگھا اینڈ سنز، پبلشرز، س۔ن۔ ص۳
۱۲۔ مظہر علی ولا، بیتال پچیسی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء، ص۴۱
۱۳۔ بہادر علی حسینی، داستان امیر حمزہ، لکھنؤ: نول کشور پریس، ۱۹۸۳، ص۲۳
۱۴۔ وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک، دہلی: جمال پرنٹنگ پریس جامع، ۱۹۷۲ء، ص۱۰
۱۵۔ گیان چند جین، اردو کی نثری داستانیں، لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص۷۱
۱۶۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ تحقیق و تنقید، ملتان: بیکن بکس گلگشت، ۱۹۸۸ء، ص۶۰
۱۷۔ علی سردار جعفری، ترقی پسند ادب، لاہور: مکتبہ پاکستان، ۱۹۵۶ء، ص۴۹۴
۱۸۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، جدید اردو افسانے کے رجحانات، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۰، ص۲۹۹
۱۹۔ پروین کلّو، ڈاکٹر، اردو فکشن پر روسی ادب کے اثرات، لاہور: ریشنل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱، ص۵۱۹
۲۰۔ وقار عظیم، سید، نیا افسانہ، دہلی: مطبوعہ جناح پریس، ۱۹۴۴ء، ص۱۸۲
۲۱۔ اختر حسین رائے پوری، دیباچہ، محبت اور نفرت، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۰۷ء، ص۳
۲۲۔ عزیز فاطمہ، ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰ء، ص۱۸۹
۲۳۔ پروین عظیم، ڈاکٹر، گورکی کی ماں، فیصل آباد: ندیم شبلی پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ص۲۰
۲۴۔ عزیز فاطمہ، ڈاکٹر، اردو افسانہ سماجی و ثقافتی پس منظر، لکھنؤ: نامی پریس، ۱۹۸۴ء، ص۱۸۸
۲۵۔ عظمت اللہ قریشی، متاع نقد و نظر، لاہور: انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۱ء، ص۴۰۴
۲۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگاری، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص۲۹۰